حیات اقبال کا ایک گوشۂ پنہاں

علامہ عرشی امرتسری

حضرت خواجہ احمد الدین اور علامہ اقبالؒ

''مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر میں نے اخبارات میں دیکھی۔ خدا تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔

اس زمانے میں ان کا دم غنیمت تھا ایسے عالم باعمل روز روز نہیں پیدا ہوتے''۔

(حضرت خواجہ کی وفات پر علامہ کا مکتوب

بنام عرشی۔ خط ۱۴' ص ۳۰' اقبال نامہ حصہ اول)

مئی ۱۹۷۳ء کا آخری اتوار صبح سے شام تک سمن آباد (لاہور) میں گزرا۔ ناشتے سے قبل ہی صوفی تبسم صاحب کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران پرانے وقتوں کی صحبتوں کا ذکر آ گیا۔ میں اسی مقصد کے لیے حاضر ہوا تھا۔ میرے ایک سوال کے جواب میں صوفی صاحب نے انکشاف کیا کہ علامہ اقبال ماہ نامہ ''بلاغ'' (امرتسر) کے باقاعدہ مطالعہ کی وجہ سے حضرت خواجہ احمد الدین کے غیر معمولی قرآنی مطالعہ و تدبر و تعمق سے خوب واقف تھے۔ علامہ اپنے ایک مکتوب بنام صوفی تبسم میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مجھ کو ان کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آگاہی تھی۔ کیا اچھا ہو کہ وہ شریعت محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں جس میں ''عبادات'' و ''معاملات'' کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو۔ ''معاملات کے متعلق خاص طور پر

اس قسم کی کتاب کی آج کل شدید ضرورت ہے۔ ھندوستان میں تو شاید اس کے مقبول ہونے کے لیے مدت درکار ہو ھاں دوسرے اسلامی ممالک میں اس کی ضرورت کا احساس ہر روز بڑھ رہا ہے.....غرض کہ مولوی صاحب موصوف یا ان کے رفقاء کو جو کلام الٰہی اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی لٹریچر پر عبور رکھتے ہیں اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

۱۔ ''صرف قرآن'' کی شرط قابل توجہ و مزید تحقیق ہے۔

میں اور مجھ ایسے اور لوگ صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں۔ ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے۔ رسالہ ''بلاغ'' امرتسر کے ہر نمبر میں اور مولوی حشمت علی کے رسالہ اشاعۃ القرآن کے ہر نمبر میں اسی پر بحث ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سعادت انسانی کے لیے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔

نیز جو قواعد (عبادات یا معاملات بالخصوص موخر الذکر) کے متعلق دیگر اقوام میں اس وقت مروج ہیں ان کا قرآنی نکتہ نگاہ سے استقصا کیا جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی سعادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ

سے زمانہ حال کے جسورس پروڈنس (Jurisprudence) (قانونی تعزیرات) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مدد اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم ہوگا۔ افسوس ہے کہ زمانہ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانے کے مزاج سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہا اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام الٰہی کا ہی منکر ہے عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا نظیر ناممکن ہے۔

غرض کہ یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا''

مخلص محمد اقبال (اقبال نامہ: جلد اول خط ۱۹۔۴۸)

علامہ کے اس کط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ نہ صرف خواجہ صاحب اور ان کے رفقا کے خیالات سے واقف تھے بلکہ اس دور کی سب سے بڑی اسلامی خدمت یعنی ''تشکیل جدید فقہ اسلامی'' کے لیے ان کے نزدیک حضرت خواجہ اور ان کے رفقا سب سے زیادہ موزوں تھے۔

ا۔ خواجہ صاحب اور ان کے رفقاء اس علمی و دینی پرچہ کو نکالا کرتے تھے اور

حضرت علامہ اس کا با قاعدہ مطالعہ کرتے تھے۔

۲۔ یہ پرچہ مولوی حشمت علی صاحب کے شاگرد رشید مولانا چکڑالوی نکالا کرتے تھے اور یہ پرچہ جماعت ''اہل قرآن'' کا نقیب تھا۔

۳۔ اس مکتوب کے متعلق ایک لطیفہ ہے کہ جب یہ مکتوب پہلی مرتبہ شائع ہوا تو چوں کہ اسکی تمہید میں علامہ نے خواجہ کے مقابلہ میں اپنی مزہبی واقفیت کے نہایت محدود ہونے کا اعتراف کیا تھا اس لیے علامہ کے دوست میاں محمد حسین مرحوم نے اس کو جعلی قرار دیا' ان کے خیال میں ایسا اعتراف علامہ کی عظمت کے منافی تھا۔ پھر جب صوفی صاحب نے اصل خط کا فوٹو چھپوا دیا تو محمد حسین کے لیے مفر نہ رہا۔ اس کے بعد جب صوفی صاحب کی ان سے بالشافہہ ملاقات ہوئی ت صوفی صاحب نے ان سے کہا: اگر بلا تحقیق جعلی نہ کہتے تو آپ کو یہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔

(اب اس خط کی اصل نیز علامہ کے مزید کئی خطوط کی اصلیں جو صوفی صاحب کے نام تھیں اقبال اکیڈمی کراچی کے پاس محفوظ ہیں ان کی فوٹو کاپی صوفی صاحب کے پاس بھی ہے)۔

ایسا ہی ڈاکٹر شاہ علی نے کراچی ریڈیو رات ساڑھے نو بجے کی بزم طلبہ کی نشریات میں کہا کہ علامہ اقبال کے خطوط بنام علامہ سید سلیمان ندوی کی اشاعت رکوانے کی بہت کوشش کی گئی...... ایسے لوگ علامہ کے علم اور جذبہ استفادہ کو ان کی عظمت کے منافی اور کسر شان سمجھتے ہیں۔ حقیقت کو چھپانا نہ ممدوح کی خدمت

ہے ورنہ علم تاریخ سے انصاف۔

ا۔ یہاں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ ان دنوں خواجہ صاحب کو عام طور پر مولوی صاحب کہا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی خوجہ برداری کی ایک کانفرنس نے اپنا قومی لقب خوجہ کے بجائے خواجہ قرار دیا تو راقم (عرشی) نے جو ان دنوں "بلاغ" کی ادارت کے فرائض انجام دیتا تھا لفظ "مولوی" پر اس کو ترجیح دی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ یہ لفظ اپنی معنویت کھو چکا تھا۔

اسی سلسلے میں حضرت علامہ خواجہ صاحب سے ملاقات کے متمنی تھے۔ ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ان دنوں خطبات مدارس (تشکیل جدید الٰہیات اسلام" کی تیاری میں مصروف تھے اور قرآن مجید سے جس قسم کی محققانہ اور حکیمانہ رہنمائی چاہتے تھے اس میں مدد کرنے والا ملک بھر میں ان کو خواجہ صاحب کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

صوفی صاحب نے بتایا کہ ملاقات کی تحریک علامہ کی طرف سے ہوئی تھی مگر وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے امرتسر نہیں جا سکے تھے اس لیے خواہش تھی کہ اگر کوئی صورت ہو سکے تو خواجہ صاحب لاہور تشریف لے آئیں میں (صوفی تبسم) جب امرتسر گیا تھا تو خواجہ صاحب سے اس کا تذکرہ کیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا: بہت بہتر میں تو خود ان سے مستفید ہونا چاہتا ہوں میں نے یہ صورت حال علامہ کو لکھ دی

۔

اس کے جواب میں علامہ نے لکھا: (۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

"...... مجھے یقین ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو میرے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں مجھ کو ان سے فائدہ پہنچنا یقینی ہے۔ اس واسطے اگر وہ مجھ کو مستفیض کرنے کے ارادے سے امرتسر سے لاہور آنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو ان کی بہت مہربانی ہے۔ جس کے لیے میں ان کا نہایت شکر گزار رہوں گا۔

(اقبال نامہ حصہ اول خط ۱۹۔ ۴۸)

علامہ کے مندرجہ بالا جواب آنے کے بعد ہمیں لاہور پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی تو چار دن بعد پھر ایک خط آیا: (۶ ستمبر ۲۵ء)

"جناب من اسلام علیکم

میں کل شام مولوی صاحب کا منتظر رہا۔ لیکن چونکہ وہ تشریف نہ لائے اس واسطے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خط سے کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو۔ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں وقت کی تعین اس واسطے سے نہ کی تھی کہ اس بارے میں مولوی صاحب موصوف کی آسائش کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کی یہ عنایت کم نہیں کہ وہ محض میرے فائدے کے لیے لاہور تشریف لانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ان حالات میں اپنی سہولت اور اوقات ملحوظ رکھوں مجھ کو یہ بات اس خط میں واضح کر دینی چاہیے تھی کہ وہ جب چاہیں تشریف لے آئیں۔ مجھ کو صرف ایک روز پہلے مطلع کر دیں تا کہ میں ان کی تشریف آوری کے

وقت مکان پر ہی رہوں۔ کہیں ادھر ادھر نہ چلا جاؤں۔

آپ کو گزشتہ خط لکھنے کے بعد میں نے چند باتیں نوٹ بھی کر رکھی تھیں جن پر میں مولوی صاحب کے خیالات سے اوران سے فائدہ اٹھانے کا آرزومند ہوں۔

مخلص محمد اقبال

مولوی صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دیجیے گا''۔

علامہ کے اس خط کے بعد میں (صوفی تبسم) خواجہ صاحب کو لاہور لے آیا اور گڑھی شاہو میں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ پی ایچ ڈی (امرتسری) کی قیام گاہ پر انہیں ٹھیرا کر علامہ کو اطلاع دینے گیا کہ خواجہ صاحب آ گئے ہیں۔ اجازت ہو تو انہیں آپ کے ہاں لایا جائے۔

علامہ نے فرمایا:

وہ تو میرے مہمان ہیں انہیں دوسری جگہ کیوں اتارا گیا؟ سیدھا یہاں لانا چاہیے تھا'' بہر حال صوفی صاحب اور خواجہ صاحب تانگے پر حضرت علامہ کی کوٹھی میں پہنچے اور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (خواجہ صاحب کی خواہش تخلیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے الگ) ان کے پیچھے پیچھے سائیکل پر آ گئے اور اس طرح اوٹ میں بیٹھ گئے کہ خواجہ صاحب کو دکھائی نہ دیں۔ رات کا وقت تھا اور خواجہ صاحب کی نظر مزمن مرض رمد چشم کی وجہ سے رات کو بخوبی کام نہیں دیتی تھی۔

علامہ نے قبل ملاقات تبسم صاحب سے یہ دریافت کیا تھا کہ جدید فلسفیانہ اصطلاحات کا استعمال اس گفتگو میں ناگزیر ہوگا۔ کیا مولوی صاحب کو اس میں

مشکل تو پیش نہیں آ جائے گی؟ صوفی صاحب نے اس کے متعلق ان کو مطمئن کر دیا تھا۔

صوفی صاحب کہتے ہیں: ''قرآن حکیم کے مختلف مقامات کے متعلق یہ گفتگو مسلسل چار گھنٹے تک جاری رہی مابعد الطبعیات اور الہیات کا شاید ہی کوئی اہم پہلو ہو جو زیر بحث نہ آیا ہو علامہ نے ابتدا میں کہا کہ مجھے خطبات مدارس کی تیاری میں بعض قرآنی حقائق کے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کئی مقامات پر میں غور کر چکا ہوں، بعض مقامات ابھی غور طلب ہیں، اس میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ چنانچہ علامہ سوال کرتے اور خواجہ صاحب جواب دیتے جاتے تھے۔ نہایت بلند و عمیق حقائق سامنے آ رہے تھے میں (صوفی) اپنے آپ کو خود فراموشی اور جہاں فراموشی کے عالم میں بالکل ہی کسی دوسری نادیدہ دنیا میں محسوس کر رہا تھا۔ کاش میں ان دنوں ان مکالمات کو قلمبند کر لیتا جو اس طویل مدت کے گزر جانے کے بعد ذہن میں محفوظ نہ رہ سکے'' (مجھ (عرشی) کو یاد پڑتا ہے کہ صوفی صاحب نے انہی دنوں مجھے بتایا تھا کہ آیہ ''ان اللہ یحول بین المرءوقلبہ'' پر بہت غامض اور قدرے طویل بحث ہوئی تھی) صوفی صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ دوران کلام میں کسی مقام پر بھی خواجہ صاحب کو علامہ صاحب کا نقطہ نگاہ سمجھنے میں رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ جدید فلسفہ کی ہر اصطلاح کو بے تکلف سمجھتے اور اس پر اظہار خیال کرتے تھے حالانکہ بعض مقامات پر مجھ (صوفی) کو فہیم معانی میں مشکل پیش آتی تھی۔ گفتگو کے اخیر میں صرف ایک مسئلہ پر خواجہ صاحب نے اپنی ناواقفیت کا اعتراف کیا وہ

حسب ذیل ہے:

علامہ نے تجد د امثال کے متعلق قرآنی روشنی چاہی۔خواجہ صاحب نے کہا کہ میں نے اس نقطہ نگاہ سے قرآن میں غور نہیں کیا''۔

صوفی صاحب نے یاد دلایا کہ وہ (صوفی) اس ملاقات کے متعلق مختصر طور پر ''راوی'' (گورنمنٹ کالج لاہور میگزین) میں لکھ چکے ہیں۔ راوی کا وہ پرچہ تو نہیں ملا لیکن ماہ اگست ۱۹۳۸ء کے ''بلاغ'' (امرتسر) نے یہی تحریر بشکریہ ''راوی'' درج کی ہے اس کی نقل پیش خدمت ہے:

''ذیل کا خط علامہ مرحوم نے ۱۹۲۵ء میں میرے نام لکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قبلہ محمود شیرانی مدظلہ العالی کی وساطت سے پہلے پہل مجھے

---

(۱) یعنی مکتوب اقبال بنام صوفی تبسم مندرجہ اقبال نامہ مرتبہ عطاء اللہ حصہ اول ۴۶۔۴۹

ڈاکٹر صاحب سے شرف نیاز حاصل ہوا۔اگر چہ میں فارغ التحصیل ہو کر لاہور سے اپنے وطن چلا گیا تھا تاہم ان سے ملاقات کا اشتیاق ہمیشہ دامن گیر رہتا تھا اور میں گاھے گاھے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کی عالمانہ گفتگو سے استفادہ کرتا رہتا۔

اسی زمانہ میں امرتسر سے رسالہ بلاغ شائع ہوا۔ اس رسالہ میں خواجہ احمد

الدین مرحوم کے مضامین اور قرآن حکیم کی تفسیر انہی کے قلم سے شائع ہوتی تھی۔ یہ رسالہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں باقاعدہ پہنچتا تھا اور بالاستعیاب اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس خط میں جن مولانا کا ذکر آیا ہے وہ یہی خواجہ احمد الدی مرحوم ہیں۔ میری دلی خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب اور خواجہ صاحب کی ملاقات ہو اور دونوں بزرگوں نے خود بھی بارہا اس کے لیے انتہائی اشتیاق کا اظہار فرمایا تھا لیکن یہ چیز ہمیشہ معرض التوا میں پڑی رہی۔ آخر کار ایک موقع نکل آیا۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ ملاقات سے پہلے دونوں بزرگوں نے زبانی اور تحریری طور پر نہایت عجز اور انکسار کے سے کام لیا۔ جیسا کہ ا س خط کے انداز بیان سے ظاہر ہے۔ ہر ایک اسی بات پر زور دیتا تھا کہ ملاقات کا مقصد محض دوسرے سے استفادہ کرنا ہے۔ اور بس میں عجیب الجھن میں تھا اور مجھے اس بارے میں کچھ عرض کرنے کی جرات نہ تھی اس لیے کہ اظہار انکسار میں کسی نمائش یا تصنع کا شائبہ تک نہ تھا۔ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ اس بات کا احساس ہوا کہ علم کی غایت اور انتہا عجز و انکسار کے سوا کچھ نہیں اور دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں کا یہ ارشاد ہے ہ معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد حقیقت پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ ہر صاحب بصیرت کائنات کی گہرائیوں میں کھو جانے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔

مولانا احمد الدین لاہور تشریف لائے اور ان کی معیت میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دونوں بزرگوں میں مسلسل چار گھنٹے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ مابعد الطبیعیات اور الہیات کا شاید ہی کوئی اہم پہلو ایسا ہو جو زیر بحث

آیا ہو۔

یہ بابرکت صحبت رات کے ایک بجے ختم ہوئی۔اس صحبت میں شریک ہونے والے میرے محترم دوست ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ پی ایچ ڈی بھی تھے یہ واقعہ آج سے تقریباً تیرہ برس پہلے کا ہے لیکن میرے تاثرات ابھی تک تازہ ہیں ۔آج بھی جب کبھی مجھے اس ملاقات کا خیال آتا ہے تو دل پر ایک خاص محویت طاری ہو جاتی ہے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ جب ہم اس رات ڈاکٹر صاحب سے رخصت ہو کر چلے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم عالم بالا کی سیر کر رہے ہیں۔(تبسم)

یاد رہے کہ یہ تحریر ۱۹۳۸ء کی ہے

(ماہنامہ بلاغ اگست ۱۹۳۸ءبحوالہ راوی لاہور)

صوفی صاحب نے اپنی اس تحریر میں فرمایا ہے کہ وہ (علامہ) بالاستعیاب اس (ماہنامہ بلاغ) کا مطالع کیا کرتے تھے اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا جو رسالہ ''بلاغ'' کے مالک و مدیر اول حکیم شہاب الدین (امرتسری) کی زبان سے راقم نے سنا تھا جس سے علامہ کی اس رسالہ سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔حکیم صاحب لاہور آتے تو علامہ سے بھی ملاقات کرتے اور ''بلاغ'' کا سالانہ چندہ دستی وصول کرتے تھے۔ایک دفعہ علامہ نے ان سے کہا:

''میرے پاس سب رسائل و اخبارات بے قیمت پہنچ جاتے ہیں صرف آپ

ایسے ہیں کہ مجھے ''بلاغ'' کی قیمت وصول کرتے ہیں''۔

یہ تھی خواجہ وعلامہ کی ملاقات کی سرگزشت راقم کو یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ علامہ کو خواجہ صاحب سے مکرر ملاقات کا شوق رہا۔ ان کے ذہن میں بعض اہم قرآنی سوالات پیدا ہوتے رہتے تھے۔ جن کے متعلق وہ خواجہ صاحب سے تبادلہ خیال کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سورہ نساء کی آیت ۱۵۹ ''وان من اھل الکتاب الالیومنن بہ قبل موتہ'' کا ذکر آیا تو اس کی ضمیروں کی تعین کے متعلق راقم علامہ کے استفسار کا جواب نہ دے سکا اور خواجہ صاحب کی طرف رجوع چاہا۔ علامہ کو جب ان کی تحقیق معلوم ہوئی تو اس سے دلچسپی کا اظہار فرمایا۔

ایک اور صحبت میں توریت کے مسئلہ ''عول'' کے متعلق راقم سے حضرت خواجہ کی تحقیق دریافت ہوئی ۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی اور امرتسر پہنچ کر خواجہ صاحب کو آمادہ کیا کہ وہ علامہ کے رو در رو اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالیں (خواجہ صاحب ''عول'' کے قائل ہی نہ تھے ۔ وہ اسے قرآنی تصیحات کے عدم فہم کا نتیجہ قرار دیتے تھے)ان کی منظوری سے علامہ کو مطلع کیا تو آپ نے یہ مکتوب سپرد قلم فرمایا:

لاہور ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء

جناب عرشی صاحب اسلام علیکم

آپ کا والا نامہ صبح مجھے مل گیا۔ مولوی صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر کے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ جیسا کہ

۱۔ حضرت خواجہ احمد الدین مرحوم

۲۔ تفسیر بیان الناس

۳۔ مروجہ قانون وراثت کی فاش اغلاط گزشتہ صدیوں میں کسی کی نظر میں نہیں آئیں تھیں۔ فقہا نے ''سراجی'' کو پاک از خطا صحیفہ سمجھ کر رائج کر رکھا تھا۔ خواجہ صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس پر گرفت کی اور ملک بھر کے فقہا و علما کو اس طرف متوجہ کیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں گزشتہ ۱۸ ماہ سے ہائی کورٹ کا کام نہیں کرتا' اس واسطے مولوی صاحب سے گفتگو کرنے کے لیے مجھے کچھ پہلے کتابوں کا مطالعہ کرنا ہو گا جس کے لیے اس وقت میری طبیعت حاضر نہیں۔ اور نہ اس قدر محنت برداشت ہو سکتی ہے۔ ان شاء اللہ کچھ مدت بعد ایسا کر سکوں گا۔

فی الحال میرے خیال میں چاہیے کہ ایسی مثالیں لی جائیں جن میں فقہا کے نزدیک ''عول'' کی ضرورت پڑتی ہے اور تقسیم سے ثابت کیا جائے کہ ''عول'' کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی مثالیں انگریزی کتاب میں موجود ہیں۔ مولوی سراج الدین پال آپ کو بتا سکیں گے۔ یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے میں خود بھی ''عول'' کی تردید میں بہت دلچسپی رکھتا ہوں۔

امید کہ مولوی صاحب کا مزاج بخیر ہو گا اگر ''عول'' پر ایک علیحدہ رسالہ لکھا جائے تو نہایت مناسب ہو گا۔ جو کچھ مولوی صاحب نے بیان القرآن میں لکھا

ہے اس کو مزید تشریح و توضیح کے ساتھ علیحدہ چھاپ دیا جائے تا کہ اس مسئلہ کی طرف علماء کی خاص توجہ ہو جائے اور وکیل و بیرسٹر صاحبان بھی اس میں خاص دلچسپی لے سکیں۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۱۳ صفحہ ۲۸)

باقی صفحہ ۷ کا

جمود پسند علما کی طرف سے اس پر بہت لے دے کی گئی مگر بعض حضرات پر اس رسالہ کے دلائل قاطعہ کا اتنا اثر ہوا کہ باوجود اختلاف عقائد کے انہیں اس رسالہ کی اہمیت کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

معجزہ قرآنی دربیان میراث مسلمانان: احمد الدین صاحب مدرس مدرستہ المسلمین امرتسر نے مسائل میراث اسلامی پر ایک ناقدانہ رسالہ لکھا ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ علماء میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہی جو مسائل فقیہہ میں بلا خوف لومتہ لائم فقہائے متقدمین شکراللہ مساعیہم کے اجتہادات پر قلم اٹھاتے ہیں۔ (پھر یہ لکھنے کے بعد کہ ہمیں تو اہلحدیث علما سے علمی کاموں کی توقع تھی مگر انہیں تو مجادلہ مقاتلہ اور مقادمہ (اہم مقدمہ بازی) سے ہی فرصت نہیں ملتی تحریر کرتے ہیں اس بنا پر ہم نے مولوی صاحب کے رسالہ میراث کو پوری توجہ اور غور کے ساتھ پڑھا

اور پھر اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ اس میں بہت سی باتیں لائق توجہ ہیں اور درحقیقت ان مسائل میں ہمارے فقہاء کتاو سنت سے کسی قدر دور جاپڑے ہیں۔ لیکن تعین کے ساتھ ان مسائل پر اظہار خیال کے لے فرصت درکار ہے۔ واللہ تعالی مسعول ان یوفی لھا''

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ صفر ۱۳۳۶ھ دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۵۶)

مولانا مفتی حافظ محمد اسلم جیراج پوری نے خواجہ صاحب کے اس رسالہ کا عربی میں الوارثہ فی الاسلام کے نام سے ترجمہ کر دیا ہے۔ لیکن کسی مصلحت ذاتی کے سبب یہ نہیں بتایا کہ یہ ان کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ ترجمہ ہے۔

افسوس ہے کہ دونوں بزرگوں کی پیری و علالت کی وجہ سے یہ ملاقات وقوع پذیر نہ ہوسکی اور ۲ جون ۱۹۲۶ء میں خواجہ صاحب انتقال فرما گئے۔

خواجہ صاحب کی تحریروں کے مطالعے کے دوران اور ان سے ملاقات کا علامہ اقبال پر کیا اثر ہوا؟ اس کے لیے اقبال اور خطبات مدارس میں مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

سید سلیمان ندوی کے نام سے ایک خط میں علامہ لکھتے ہیں:

''دوسرا امر جو اس کے متعلق دریافت طلب ہے یہ ہے کہ وہ جواب وحی کی بنا پر دیا گیا ہے وہ تمام امت پر حجت ہے (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہو گئی ہے) لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا ہے جس میں وحی کو دخل نہیں

کیا وہ بھی تمام امت پر حجت ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور کے تمام استدلالات بھی وحی میں داخل ہیں یا بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن وحدیث میں کوئی فرق نہیں؟"

(اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۶۹ صفحہ ۱۴۱)

ایک اور خط میں سید سلیمان کو ہی لکھتے ہیں:

"اگر صحابہ کے اجماع نے کوئی حکم نصِ قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ امدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہوا ہے۔ وہ ناسخ حکم سوائے حدیث نبوی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے۔ جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے۔ اور غالباً آپ کو بھی ہوگا"۔

تشکیل جدید الہیات اسلام کے چھٹے خطبہ اجتہاد میں ایک امریکی مصنف پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پیغمبر کی کسی حدیث میں بھی یہ شان نہیں ہے کہ وہ قرآن کی تنسیخ کر سکے"۔

(چراغ راہ کا اسلامی قانون نمبر جلد دوم صفحہ ۸۴)

اسی خطبہ میں حضرت عمرؓ کا نقطہ نظر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشوونما اور ارتقاء کی گنجائش ہے؟ لیکن اس سوال کے جواب میں بڑی زبردست کاوش اور محنت سے کام لینا پڑے گا۔ گو ذاتی طور پر مجھے یقین ہے کہ اس کا جواب اثبات ہی میں دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم اس مسئلہ میں وہی روح برقرار رکھیں جس کا اظہار کبھی

حضرت عمرؓ کی ذات می ہوا تھا۔ اور امت کے اولین دل و دماغ میں جو ہر معاملہ میں آزادی رائے اور تنقید سے کام لیتے ہیں اور جن کی اخلاقی جرات کا یہ عالم تھا کہ حضور رسالتماب صلعم کی حالت نزع میں یہاں تک کہہ دیا کہ حسبنا اللہ کتاب اللہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔

(تشکیل جدید ترجمہ سید نذیر نیازی صفحہ ۵ ۔ ۱۹۵۸ء بزم اقبال لاہور)

اسی خطبہ میں حدیث کے ضمن میں یہ بتاتے ہوئے کہ ان کا بڑا حصہ اپنے مخصوص حالات کے لیے تھا لکھتے ہیں:

''پھر چونکہ احکام مقصود بالذات نہیں اس لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو آئندہ نسلوں کے لیے بھی واجب ٹھہرایا جائے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ نے جو اسلام کی عالمگیریت نوعیت کو خوب سمجھ گئے تھے احادیث سے اعتناء نہیں کیا انہوں نے اصول استحسان یعنی فقہی ترجیح کا اصول قائم کیا جس کا تقاضا یہ ہے کہ قانونی غوروفکر میں ہم ان احوال وظروف کا بھی جو واقعتاً موجود ہیں باحتیاط مطالعہ کریں۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام موصوف نے احادیث سے اس لیے اعتناء نہیں کیا کہ ان کے زمانہ میں کوئی مجموعہ احادیث میں موجود نہیں تھا تو اس سلسلہ میں اول تو یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس زمانہ میں تدوین نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ عبدالملک اور زہری کے مجموعے امام صاحب کی وفات سے کم از کم تیس برس پہلے مرتب ہو چکے تھے۔ ثانیاً اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ امام موصوف ان مجموعوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکے یا یہ کہ ان میں فقہی احادیث موجود نہیں تھیں جب بھی وہ

ضروری سمجھتے تو امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی طرح خود اپنا مجموعہ احادیث تیار کر سکتے تھے۔

لہٰذا بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو میری رائے میں امام موصوف نے فقہی احادیث کے بارے میں جو روش اختیار کی سر تا سر جائز اور درست تھی۔ اندریں صورت اگر آزادی اجتہاد کی وہ تحریک جو اس وقت دنیائے اسلام میں پھیل رہی ہے احادیث کو بلا جرح و تنقید قانون کا ماخذ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو اس سے اہلسنت والجماعۃ کے ایک امام الائمہ ہی کی پیروی مقصود ہے''۔

(تشکیل جدید صفحہ ۲۶۶۔۲۶۷)

اقبال کامل میں مولانا عبدالسلام ندوی سینئر رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ علامہ اقبال کے مسلک کے متعلق تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ عبدالملک بن ماجشون (عرشی)

۲۔ یہ کتاب سلسلہ دارالمصنفین میں شامل ہے ۳۷ ہے دارالمصنفین ہی کی مطبوعہ ہے زیر نظر ایڈیشن ۱۹۴۸ء کا ہے۔

''وہ اہل قرآن تھے لیکن اپنے آپ کو اہل قرآن کہنا بھی ایک قسم کی فرقہ پسندی تھی اس لیے انہوں نے کبھی اپنے آپ کو اہل قرآن کی طرف منسوب نہیں کیا۔ تاہم ان کے ارشادات بلکہ تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کے متعلق

ان کا عروۃ الوثقیٰ صرف قرآن تھا۔ مثنوی رموز بیخودی میں فرماتے ہیں:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

صوفی پشمینہ پوش حال مست
از شراب نغمہ قوال مست

آتش از شعر عراقی در دلش
در نمے سازد بقرآں محفلش

واعظ دستاں زن افسانہ بند
معنی او پست و حرف او بلند

از خطیب و دیلمی گفتار او
با ضعیف و شاذ و مرسل کار او

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ میخواہی بیاب

اس باب میں ان کی گفتگوئیں اور زیادہ واضح ہیں۔ عرشی صاحب البیان دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ ''ایک بار میں نے ان سے پوچھا: اسلام بتمامہ قرآن میں محصور ہے یا نہیں؟ فرمایا ''مفصل کہو'' میں نے کہا: خارج از قرآن ذخیرہ احادیث و روایات اور کتب فقہ وغیرہ کو شامل کر کے اسلام مکمل ہوتا ہے یا صرف قرآن اس باب میں کفایت کرتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ''یہ چیزیں تاریخ و

معاملات پر مشتمل ہیں ان کی بھی ضرورت ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ کن ضروریات کے تحت وضع کی گئیں لیکن نفس اسلام قرآن مجید میں بتمام وکمال آچکا ہے خداوند تعالی کا منشا دریافت کرنے کے لیے ہمیں قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں''۔

ایک اور گفتگو میں جو انہوں نے ایک غالی اہلحدیث سے کی فرمایا ''میں اعتقادی امور میں صرف قرآن پر انحصار کرتا ہوں اور حدیث

باقی صفحہ ۱۰۱

اس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا نام اقبال کامل سید سلیمان ندوی نے رکھا ہے''۔ نیز اس کتاب کو پورا مسودہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی نظر سے بھی گزر چکا ہے۔ جو فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی اور سخن فہم بھی ہیں۔ اور اب جب کہ اس کتاب کا مسودہ پریس میں جا رہا ہے تو مزید اطمینان کے لیے اس کو ہمارے عزیز دوست اور دارالمصنفین کے پرانے رفیق مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی نے بھی بنظر غائت دیکھ لیا ہے اور ان کے مشورے سے اس کتاب کی بہت سی خامیاں دور ہوگئی ہیں''۔

گویا یہ کتاب دارالمصنفین کے چار اہل علم کی مصدقہ ہے اور علامہ کی کوئی سوانح عمری غالباً اتنی مستند نہیں (دیباچہ صفحہ ۵)

۱۔ یہی نقطہ نظر حضرت خواجہ احمد الدین کا تھا اور وہ اس کی بنیاد قرآن کریم کی

اس آیت پر رکھتے تھے کہ جو ھُمکم المسلمین کی جب اللہ تعالی نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے تو اس سے روگردانی حکم قرآنی کی مخالفت ہے۔

کے متعلق مجھے اور آپ سب کو معلوم ہے کہ کن ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہے" اس پر ایک صاحب ذرا گرم ہو کر کہنے لگے اگر اس طرح حدیث سے بے پروائی کی جائے تو مسلمانی ختم ہو جائے گی ہمارا کوئی عمل و عبادت حدیث کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ قرآن تو نماز ایسی روزمرہ کی چیز کے لیے بھی ہمیں کوئی تفصیل نہیں بتاتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ اہل قرآن نے اپنے لیے عجیب قسم کی نمازیں تراش لی ہیں جن کا جمہور اہل اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ان کی نمازوں کے اوقات اذکار اور رکعات وغیرہ سب عالم اسلامی سے مختلف ہیں کیا ایسی حالت میں آپ ان کو کافر نہ کہیں گے؟ ڈاکٹر صاحب نے اس تیز کلامی کے جواب میں نہایت نرمی سے فرمایا: ''کافر نہ کہو کوئی اور نام رکھ لو یہ شدت ہے تم لوگ نمازوں کی رکعات اور اذکار پر لڑتے ہو مجھے تو سرے سے نمازوں کا وجود ہی کہیں نظر نہیں آتا یعنی مسلمان نماز ہی نہیں پڑھتے۔

لیکن بایں ہمہ وہ حدیثوں کے سرے سے منکر نہ تھے بلکہ بہت سی حدیثوں پر شدت سے اعتقاد رکھتے تھے ان کو جو کچھ شک وشبہ تھا وہ احادیث کی شرعیت کے متعلق تھا۔ چنانچہ ایک خط میں مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:

شرعیت احادیث کے متعلق جو کھٹک میرے دل میں ہے اس کا مطلب یہ نہیں

کہ احادیث سرے سے بیکار ہیں ان میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی و تعالی کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی مثلاً ملکیت شاملات دہ کے متعلق المرء للہ و رسولہ (بخاری)

(اقبال نامہ حصہ اول ۲۷ صفحہ ۱۵۲)

۱۔ البیان امرتسر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۴

۲۔ یعنی حدیث کی حجیت پر

۳۔ یعنی چراگاہ اللہ اور اس کے رسول کی ہیں یعنی تمام امت میں مشترکہ ہیں۔

۴۔ اقبال کامل۔ صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۷